محسنِ انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم)

مخالفتوں کے طوفان سے گزرتے ہوئے

(مدنی دور)

نعیم صدیقی

انسانیت کے محسنِ اعظم اور دنیا کے سب سے بڑے تاریخ ساز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارنامۂ حیات کا مکی دور دعوت و پیغام کا دور ہے اور مدنی دور اقتدار کا دور ہے۔ مکہ میں افراد تیار کیے گئے، مدینہ میں اجتماعی نظام کی تشکیل ہوئی۔ یہاں مسالہ تیار ہوا، وہاں عمارت کھڑی کی گئی۔

اس فرق کی وجہ سے قرآن اور سیرت و تاریخ کو سرسری نگاہ سے دیکھنے والے عام لوگوں کا تاثر یہ ہے کہ اسلامی تحریک اور اس کے داعی پر امتحان کی کڑی گھڑیاں صرف مکی دور ہی میں بیتی ہیں، مدینہ میں مخالفت کے ویسے شدید طوفانوں سے سابقہ نہ تھا اور یہاں اس طرح کی بھٹیاں گرم نہ ہوتی تھیں۔ بالکم سے کم خیال یہ کیا جاتا ہے کہ مخالفت اب ایک ننگی تلوار بن کر میدانِ جنگ میں آگئی تھی اور مخالفین کی طرف سے گھٹیا حرکات اور ذلیل کارروائیوں کا وہ دور گذر گیا تھا۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ بلاشبہ قریش کی اولین مخالف طاقت تو اب رُودررُو ہو کر میدانِ جنگ میں چیلنج کر رہی تھی، لیکن دوسری طرف مدینہ میں تحریک کی پُرزور اٹھان نے نئی مخالف طاقتیں ابھار دی تھیں اور وہ شرانگیزی میں اہلِ مکہ سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ اس شرانگیزی کے نت نئے کرشموں نے داعیٔ حق اور اس کے رفقا کو شروع سے آخر تک پریشان کیا اور تمدن کی تعمیرِ نو کے کام میں رکاوٹیں ڈالنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

تاریخی کلیہ یہی ہے کہ اصلاح و تعمیر کا کام جتنا جتنا آگے بڑھتا ہے، اصلاح دشمن اور جمود پسند طاقتیں اس کو تباہ کرنے کے لیے جذبات عداوت میں اتنی ہی زیادہ بھڑکتی چلی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ حق جب مظلومی کے تختۂ دار

سے ایک جست لگا کر تختِ اقتدار پر قدم رکھتا ہے تو باطل کا بغض و حسد بھی ساری حدوں سے آگے نکل جاتا ہے۔
یہی صورت مدینہ میں نئی مسلم سوسائٹی کے قیام اور امن و سلامتی کی ریاست کے برپا ہونے پر پیدا ہوئی۔

مدینہ کی مختلف فضا تاریخی لحاظ سے یہ صورتِ واقعہ بجائے خود بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ مدینہ کی سیاسی و مذہبی فضا مکہ سے بالکل مختلف تھی۔ یہی وجہ تھی کہ دینِ حق کی جو نیری وہاں سخت ناسازگار حالات سے دوچار تھی، یہاں لاکر جونہی نصب کی گئی تو وہ تیزی سے برگ و بار لانے لگی۔

پہلی بات یہ کہ مکہ اور اس کے ماحول کی ساری آبادی باہم دگر مربوط تھی اور مذہبی، قبیلوی اور معاہداتی بندھنوں سے بندھی ہوئی تھی اور قریش کا اس پر پورا تسلط تھا۔ لیکن مدینہ اور اس کے ماحول میں دو مختلف عناصر آباد تھے۔ جن کے درمیان کھچاؤ موجود تھا۔

مدینہ یثرب کے نام سے یہودیوں کا آباد کردہ قدیم شہر تھا۔ یہاں جوں جوں ان کی نسل پھیلتی گئی، مدینہ کے آس پاس ان کی نئی بستیاں قائم ہوتی گئیں اور ساتھ ساتھ ان کے چھوٹے چھوٹے جنگی قلعے تعمیر ہوتے گئے۔ چنانچہ پورا علاقہ یہود کے مذہبی و سیاسی تسلط میں تھا۔

دوسرا عنصر انصار کا تھا۔ ان کا اصل وطن یمن تھا اور قحطان کا خاندان ان کا نسلی سرچشمہ تھا۔ جس زمانے میں یمن میں سیلِ عرم نامی مشہور سیلاب نے تباہی مچائی تھی اور بچے کھچے لوگ ادھر اُدھر منتشر ہوئے تھے، اس زمانے میں قحطان کے قبیلے میں سے اوس اور خزرج نام کے دو بھائی یثرب آ پہنچے اور یہاں آباد ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ بعد میں اور لوگ بھی آئے ہوں۔ تاہم انہی نوواردوں کے ذریعے اس علاقے میں نئے عنصر کا اضافہ ہوا۔ بعد میں نسل بڑھتی گئی اور آہستہ آہستہ ایک نئی طاقت ابھرنے لگی۔ شروع شروع میں ان لوگوں نے یہودی معاشرے اور تمدن سے منقطع رہ کر پنپنا چاہا، لیکن پہلے کی جمی ہوئی طاقت کے زور و اثر سے دب کر ان سے دوستانہ معاہدہ استوار کر لیا۔ معاہدانہ تعلقات دیر تک خوش اسلوبی سے چلتے رہے، لیکن یہود نے جونہی یہ محسوس کیا کہ انصار کی روز افزوں ترقی ان کے اقتدار کے لیے ایک خطرہ بنتی جا رہی ہے تو انہوں نے حلیفانہ تعلق توڑ لیا۔

یہود کے اندر ایک عیاش رئیس فطیون نامی اٹھا۔ اس نے جبر و قوت سے اپنا یہ حکم نافذ کر دیا کہ اس کی

یہود میں جو لڑکی بھی بیاہی جائے وہ اس کے شبستانِ عیش سے گذر کر ازدواجی زندگی کے دائرے میں داخل ہو۔ یہود کے بگاڑ کا اس سے اندازہ کیجئے کہ انہوں نے فطیون کے اس حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔ آخر ایک دن اس شیطانی حکم نے انصار کی غیرت کو بھی چیلنج کر دیا۔ مالک بن عجلان کی بہن کی شادی ہو رہی تھی کہ عین بارات کے دن وہ بھائی کے سامنے سے پورے انداز بے حجابی کے ساتھ گزری۔ مالک نے ملامت کی تو اس نے کہا کہ کل جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ اس سے زیادہ شدید ہے۔ چنانچہ مالک نے فطیون کو جا کر قتل کر دیا اور شام کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں غسانی حکمران ابو جبیلہ کا سکہ چل رہا تھا۔ اسے یہ حالات جب معلوم ہوئے تو اس نے حملہ کیا اور بڑے بڑے یہودیوں کو قتل کیا اور اوس و خزرج کو خلعت و انعام سے نوازا۔ ان واقعات نے یہود کا زور توڑ دیا اور انصار کی طاقت بڑھا دی۔

غرض یہود کے مقابلے میں انصار کا معاملہ برابر کی چوٹ کا معاملہ تھا۔ لیکن اصول و مقصد کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کا اتحاد مضبوط بنیاد نہیں رکھتا تھا۔ آپس کی کشمکش نے دیمک بن کر طاقت کو چاٹنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اوس و خزرج کے درمیان جنگِ بُعاث واقع ہوئی اور فریقین کے نہایت قیمتی افراد ایک دوسرے کی تلواروں کا لقمہ ہو گئے۔ اس طرح یہود کے مقابلہ وہ پچھڑے اور ہو کر رہ گئے۔ اسی حالت سے مجبور ہو کر انہوں نے قریب کے زمانے میں قریش کے سامنے حلیفانہ تعلقات کی درخواست رکھی تھی۔ لیکن بعض وجوہ سے یہ کوشش ناکام رہی۔

دوسری طرف یہود کے تفوق کی ایک وجہ ان کی مذہبی سیادت بھی تھی۔ ان کے پاس تورات تھی اور وہ ایک مستقل مذہبی نظام کے علمبردار تھے۔ ان کے پاس ایک سرمایۂ اعتقاد تھا۔ ایک اخلاقی ضابطہ تھا۔ فقہی احکام تھے، مذہبی قانون تھا، کچھ روایات تھیں اور عبادات کی انجام دہی کا ایک طریقہ تھا۔ انصار اس پہلو سے تہی دامن تھے اور وہ اس دائرے میں ان کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور تھے۔ انہی کے "بیت المدارس" (یہودیوں کے مذہبی تعلیم کے مراکز) سے وہ استفادہ کرتے تھے۔ حد یہ کہ اگر کسی انصاری کی اولاد زندہ نہ رہتی تھی تو وہ نذر ہی یہ مانتا تھا کہ اگر بچہ زندہ رہا تو اسے یہودی بنایا جائے گا۔ انصار میں اس پہلو سے احساس کمتری موجود تھا اور ان کی غیرت و حمیت اس پہ کرب محسوس کرتی تھی۔

اوپر کے حقائق کو سامنے رکھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مدینہ کے ماحول میں یہود اور انصار کے درمیان کھچاؤ تھا اور تعلقات کی گہرائی میں حریفانہ و رقیبانہ جذبات کام کر رہے تھے۔

اسی سلسلے میں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ یہود انصار کے سامنے اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ آخری نبی جلد ہی مبعوث ہونے والا ہے، وہ آئے تو پھر ہم اس کے ساتھ ہو کر تمہاری خبر لیں گے۔ یہود کی اس پیشگوئی نے انصار کو بھی اس پیغمبر موعود کا منتظر بنا دیا تھا اور ان کے اندر ایک غیر شعوری رجحان یہ کام کر رہا تھا کہ اگر وہ نبی آ جائے تو وہ آگے بڑھ کے اس کا دامن تھام لیں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ پیشگوئی سنانے والے خود تو محروم رہے اور جن کو وہ دھمکیاں دیا کرتے تھے وہ نبی آخر الزمان کے حلقۂ رفاقت میں آ گئے۔ یہود جن کو ٹھوانا چاہتے تھے ان کے ہاتھوں سے خود پٹ گئے۔[1]

مدینہ کی اس فضا اور اس کے پس منظر کو سامنے رکھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کیوں یہ ماحول مکہ کے مقابلے میں تحریکِ اسلامی کو زیادہ راس آیا۔

تحریکِ اسلامی مدینہ میں | مکہ نے دعوتِ حق سنی اور مسلسل ۱۳ سال سنی، اس کا پہلا استدلال سامنے آیا، اس کے نور سے بھری ہوئی ایک لامثال شخصیت کا کردار اس کے سامنے جگمگاتا رہا، اس کے علمبرداروں نے ظلم کی چکی میں پستے ہوئے "احد، احد" کی صدا بلند کی، مگر مکہ کی اجتماعی فضا نے شروع سے آخر تک ایک ہی رٹ لگائے رکھی — "نہیں منظور"!

لیکن مدینہ تک گلِ دعوت کی نکہت کا پہلا جھونکا ہی پہنچا ہوگا کہ اس کی روح وجد میں آ کر پکار اٹھی "لبیک"۔ مدینہ کا پہلا نوجوان جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام سے بہرہ اندوز ہوا سُوید بن صامت تھا۔ یہ ایک ذہین شاعر تھا، ایک ماہر سوار تھا، بہادر جنگجو تھا۔ ایسے نوجوان بالعموم انقلابی حرکت کے سپاہی بنا کرتے ہیں اور تعمیر و ترقی کی ہر دعوت پر لبیک کہتے اور پھر اپنا سب کچھ لگا دیا کرتے ہیں۔ یہ نوجوان مکہ آیا تو سرورِ عالم نے حسبِ معمول مل کر دعوت پیش کی۔ سُوید نے بتایا کہ ایسی ہی ایک چیز میرے پاس بھی ہے، یعنی صحیفۂ لقمان! اس کا کچھ حصہ اس نے سنایا بھی۔ پھر آنحضور صلعم نے قرآن سنایا۔ دیکھئے بے تعصبی کا مظاہرہ، سُوید کی فطرتِ سلیم

[1] یہ معلومات سیرت النبی از علامہ شبلی مرحوم (حصہ اول) سے ماخوذ ہیں۔ ملاحظہ ہو: صفحہ ۱۸۹ تا صفحہ ۱۹۱۔

فوراً پکار اٹھی کہ "ان ھٰذا القول حسن" یعنی یہ کلام خوبی میں بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ اس کلام کا پیغام اس کے دل میں گھر کر گیا۔ لیکن افسوس کہ جانے کے بعد جلد ہی وہ خزرجیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے بارے میں بعد میں لوگوں نے تذکرہ کیا کہ وہ قتل ہوتے وقت مسلم تھا اور تکبیر اس کی زبان پر تھی۔[1]

متاثر ہونے والا دوسرا یثربی نوجوان ایاس بن معاذ تھا۔ یہ مدینہ کے ایک وفد کا رکن تھا۔ وفد کا مقصد یہ تھا کہ خزرج کے خلاف قریش سے حلیفانہ معاہدہ کریں اور امداد حاصل کریں۔ داعیٔ حق نے ان لوگوں تک بات پہنچانے کا موقع نکالا۔ اسلام کا تعارف کرایا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ ایاس بن معاذ جو اس وقت لڑکپن کے عالم میں تھا، کہنے لگا: "ای قوم! ھٰذا واللہ خیر مما جئتم بہ" کیا ہی پاکیزہ فطرت بول رہی ہے کہ "اے ساتھیو! تم جس غرض کے لیے آئے ہو اس سے یہ زیادہ بہتر ہے" سردارِ وفد ابوالحیسر نے مٹی اٹھا کر اس کے منہ پر ماری، مطلب یہ تھا کہ یہ تم بیچ میں کیا غضب ڈھا رہے ہو۔ ساتھ ہی کہا "ہم اس مطلب کے لیے نہیں آئے"! ابوالحیسر کو فکر تھی قریش کی حمایت حاصل کرنے کی اور وہ خوب سمجھتا تھا کہ محمد صلعم کی بات مانی تو قریش کے دلوں کے دروازے الٹا اور بند ہو جائیں گے۔ ایاس چپ ہو گیا! ——— لیکن اس کے دل کی مٹی میں دعوت کا بیج پڑ گیا تھا۔ یہ لوگ واپس لوٹ گئے۔ اور افسوس کہ مدینہ کا یہ بیدار دل بھی جلد ہی جنگِ بعاث کی لپیٹ میں آکر دنیا سے رخصت ہو گیا۔

نبوت کے گیارھویں سال حج کے لیے مدینہ سے جو گروہ آیا اس سے ایک نشست میں سرورِ عالم کی بڑی تفصیلی گفتگو ہوئی۔ آپ کی دعوت کو سن کر وہ لوگ آپس میں کہنے لگے: "اے ساتھیو! جان لو کہ قطعی طور پر یہ وہی نبی ہے جس کے بارے میں یہود تمہارے سامنے پیشین گوئی کرتے رہتے ہیں، سو اب وہ کہیں تم سے آگے نہ بڑھ جائیں"۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کھول دیئے اور انہوں نے دینِ حق کو اپنے سینوں میں جذب کر لیا۔ پھر وہ کہنے لگے:

"ہم لوگوں نے اپنی قوم کا ساتھ چھوڑا، دوسری کسی قوم میں ہمارے لوگوں کی طرح دشمنی اور خرابی نہ ہوگی شاید کہ آپ کی ذات کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان کو پھر جوڑ جاڑ دے۔ ہم ان کے پاس جائیں گے اور آپ کے

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۶-۶۷۔ [2] ایضاً ص ۶۹

دین کی طرف ان کو دعوت دیں گے اور ان کے سامنے اپنا وہ تاثر رکھ دیں گے جو اس دین کے لیے آپ کے سامنے ہم نے ظاہر کیا ہے۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دین پر جمع کر دیا تو اس کے بعد آپ سے زیادہ قوت رکھنے والا کوئی دوسرا نہ ہو گا۔"

مکہ کے لوگوں نے جس دعوت کو موجب تفرقہ گردانا، مدینہ کے لوگوں نے اس میں اپنے لیے اتفاق و اتحاد کی بنیاد پہلی نظر ڈالتے ہی دیکھ لی۔ اسلامی تحریک کی علمبرداری کے لیے مدینہ کی یہ پہلی جماعت جس کی تشکیل مکہ میں ہو رہی تھی، چھ افراد پر مشتمل تھی۔ (۱) ابوالہیثم بن تیہان (۲) اسعد بن زرارہ (۳) عوف بن حارث (۴) رافع بن مالک بن عجلان (۵) قطبہ بن عامر (۶) جابر بن عبداللہ۔

یہ لوگ لوٹ کر گئے تو ماحول میں ایک نئی حرکت انہوں نے پیدا کر دی۔ دعوتِ اسلام پھیلنے لگی اور خوب مقبول ہوئی۔ انصار کے گھرانوں میں سے کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا نہ ہو رہا ہو۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ اگلے سال یعنی نبوت کے بارھویں برس بارہ افراد کا وفد آیا اور آکر بیعت کی۔ اس بیعت کو اصطلاحاً بیعت النساء یعنی زنانہ بیعت کہتے ہیں۔ اس سے مفہوم یہ ہے کہ اس بیعت میں صرف بنیادی باتوں کا اقرار لیا گیا تھا اور جنگ و تصادم کا کوئی سوال سامنے نہ تھا۔ اس ایمانی اقرار کے اجزاء یہ تھے:۔

"ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے، کسی کے خلاف جانتے بوجھتے کوئی من گھڑت بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گے، اور کسی معروف معاملے میں محمد صلعم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔"

یہ لوگ فارغ ہو کر اٹھے تو پیغمبرِ خدا نے مصعب ابن عمیر بن ہاشم کو مدینہ میں فریضۂ دعوت کی انجام دہی پر مامور کیا ان کے ذمے لگایا کہ وہاں جا کر لوگوں کو قرآن پڑھائیں، اسلام کی تعلیم دیں، دین کی سوجھ بوجھ پیدا کریں۔ چنانچہ وہ نماز کی امامت بھی کرتے تھے اور اسلام کی آئیڈیالوجی اور اس کے اصولِ اخلاق کی تعلیم بھی دیتے تھے۔[1]

دو لیڈروں کا قبولِ اسلام ایک دن اسعد بن زرارہ (جن کے مکان پر نبی اکرمؐ کے مامور کردہ داعی مصعبؓ اقامت گزین تھے) دعوتی مہم کے سلسلے میں اپنے ساتھ مصعب بن عمیر کو لے کر بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر کے گھروں تک جانے

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۷۶-۷۳

کے لیے نکلے۔ دونوں مَرق نامی کنوئیں کے متصل بنی ظفر کے احاطے میں پہنچے۔ بعض لوگ جو اسلام لا چکے تھے ان کے گرد آ جمع ہو گئے۔ سعد بن معاذ اور اُسید بن حُضَیر دونوں بنی عبدالاشہل کے لیڈر تھے اور ابھی تک اپنی قوم کے مسلک مشرکانہ پر قائم تھے۔ اسعد بن زُرارہ اور مُصعب کے کارِ دعوت پر سعد بن معاذ جلا بھنا تو تھا ہی، جونہی دونوں صاحبوں کے ادھر آنے کی اطلاع ملی اس نے اُسید کے کان میں پھونکا کہ یہ دونوں ہم میں سے کمزور افراد کو اُلّو بنانے آتے ہیں لہٰذا جا کر ان کی خبر لو اور ان کو منع کر دو کہ ہمارے گھروں میں نہ آیا کریں۔ اگر اسعد بن زرارہ میرا خالہ زادہ اور عزیز نہ ہوتا تو تمہارے بجائے میں خود اس سے نمٹ لیتا۔ چنانچہ جونہی مدینہ کے حلقۂ اسلامی کی یہ مجلس لگی، سعد بن معاذ کی تلقین کے زیرِ اثر اُسید بن حضیر آیا اور بھالا تانے ہوئے ان دونوں داعیانِ اسلام کی طرف لپکا۔ پھر ٹھٹک کر بد زبانی کرتے ہوئے کہا کہ "تمہارے یہاں آنے کا مطلب کیا ہے؟ تم ہمارے کمزور آدمیوں کو بے وقوف بناتے ہو، اگر تمہیں اپنی جانوں کی ضرورت ہے تو ہم سے کنارہ کرو" مُصعب نرمی سے کہنے لگے کہ "کیا تم ذرا بیٹھ نہیں جاتے کہ پہلے غور سے سنو، پھر اگر بات پسند آئے تو مانو، ناپسند ہو تو اس سے باز رہو"۔ چنانچہ وہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا۔ بھالا نیچے ڈال دیا اور تحریکِ اسلامی کے دونوں داعیوں کے پاس سکون سے بیٹھ گیا۔ مصعب نے گفتگو شروع کی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ دونوں حضرات کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مخاطب کے بولنے سے قبل اس کے چہرے سے قبولِ اسلام کا جذبہ پڑھ لیا۔ آخر اُسید کی زبان کھلی: "کیا ہی خوب ہے یہ کلام۔ بہت ہی پیارا!" پوچھا: "تم لوگ اسلام میں داخل ہوتے وقت کیا صورت اختیار کرتے ہو؟" دونوں نے کہا کہ جاؤ جا کر نہاؤ، پاک صاف ہو جاؤ اور اپنے کپڑے دھو ڈالو، پھر حق کی صداقت کی گواہی دو اور نماز ادا کرو۔ اُسید جو ابھی ابھی بھالا تانے کھڑا تھا اب خود اسلام کا زندگی بخش بھالا اس کے سینے میں اتر چکا تھا۔ اُٹھا، نہایا دھویا اور آ کر دو رکعتیں نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر بات چھڑی اور اُسید نے کہا کہ میرے ساتھ کا ایک شخص اور ہے، اگر وہ بھی تمہارے ساتھ ہو جائے تو پھر اس کے قبیلے کا کوئی آدمی سرتابی نہ کرے گا۔ میں اسی وقت اس کو بلا لیتا ہوں۔ وہ ہے سعد بن معاذ! چنانچہ وہ فوراً بھالا اٹھائے سعد کے ہاں پہنچا۔ وہاں مجلس لگی تھی۔ اس نے دیکھتے ہی ساتھیوں سے کہا کہ "میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اُسید کا چہرہ وہ نہیں ہے جو تم لوگوں سے اُٹھ کر جاتے وقت تھا"۔ پھر سعد نے اُسید سے پوچھا: "کہو، کیا کر کے آئے؟" اُسید نے بے ساختہ جواب دیا: "میں نے دونوں سے بات کی، سو خدا کی قسم، ان کی طرف سے کسی طرح

کا اندیشہ محسوس نہیں کیا۔ اور انہیں میں نے منع کر دیا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہم وہی کریں گے جو تمہیں پسند ہے" ساتھ ہی ساتھ سعد بن معاذ کے جذبات کو حرکت میں لانے کے لیے یہ بھی کہہ دیا کہ بنی حارثہ اسعد بن زرارہ کے قتل کے درپے ہیں اور وہ لوگ یہ جانتے ہوئے اس کی جسارت کر رہے ہیں کہ اسعد تمہارا عزیز ہے اور اس طرح وہ تمہاری تحقیر کرنا چاہتے ہیں۔ سعد بن معاذ بنی حارثہ کی طرف سے ایسی حرکت کا خوف محسوس کرتے ہوئے غضبناک ہو کر لپکا۔ اور بھالا اُسید کے ہاتھ سے اڑس لیا۔ لیکن وہاں پہنچا تو دیکھا کہ اسلام کے دونوں علمبردار سکون سے ہیں۔ سمجھ گیا کہ اُسید کا منشا اس چال سے صرف یہ ہے کہ میں براہِ راست ان کی بات سنوں۔ ان کو بُرا بھلا کہتے ہوئے وہ سامنے ٹھٹک گیا۔ اور اسعد بن زرارہ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم لوگ ہمارے پاس آتے ہو تو ایسی بات لے کر ہمارے گھروں میں آتے ہو جس سے ہمیں نفرت ہے۔ مصعب نے نرمی کے اسی انداز سے کام لیتے ہوئے کہا کہ ذرا سنبھلو، بات سنو، پسند ہو تو مانو، نہیں تو پھر ہم وہ چیز تمہارے سامنے نہیں لائیں گے جس سے تمہیں نفرت ہو۔ سعد بن معاذ کہنے لگا: "تم نے بات انصاف کی کہی" ۔ معاً وہ ٹھنڈا پڑ گیا، بھالا نیچے ڈال دیا اور بیٹھ گیا۔ سنانے والے نے حق کا پیغام سنایا اور قرآن پڑھا۔ دوبارہ وہی کیفیت پیش آئی۔ سعد بن معاذ کے بولنے سے قبل اس کے چہرے سے قبولِ اسلام کا جذبہ جھلکنے لگا۔ یہ نیا سر لیڈر بھی چند لمحوں میں اسلام کے محاذ پر کھڑا تھا۔

سعدؓ حیاتِ نو لے کر پلٹے تو اہلِ مجلس نے دُور سے دیکھتے ہی آپس میں کہا کہ چہرے کا رنگ بدلا ہُوا ہے۔ آتے ہی اُس نے یُوں خطاب کیا: "اے بنی عبدالاشہل! میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" سب کہنے لگے کہ تم ہمارے سردار ہو، تمہاری رائے ہم سے پختہ ہے، خوبیوں کے لحاظ سے سب سے زیادہ بابرکت ہو۔ سعد بن معاذ نے کہا "تو پھر جب تک تم لوگ خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہیں لاؤ گے تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے!" ––– پھر کیا تھا، پورے قبیلے کے مرد و زن میں سے کوئی ایک بھی اسلام کے دائرے سے باہر نہ رہا۔

ان دو لیڈروں کے ذریعے جب تحریکِ حق کی طاقت یکایک اتنی بڑھ گئی تو دعوت کی مہم نے بھی زور پکڑا اور ایک ایک قبیلے اور ایک ایک گھر میں صبحِ اسلام کی تجلیاں بکھر گئیں۔[1]

[1] حالات کی یہ تفصیل سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۷۷، ۷۸ سے لی گئی ہے۔

بیعتِ عقبہ ثانیہ اسی دوران میں حج کا زمانہ آگیا۔ اہلِ یثرب کے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد مکہ پہنچی۔ مدینہ کی کھیتی خوب فصل دے رہی تھی۔ یہ سنئے جذبۂ دینی سے سرشار ہوکر آنے والے حجاج قریش سے بچ بچ کر راتوں کی تاریکی میں اپنے قائد محبوب سے ملے۔ اس بار پھر عہد وفا از سرِ نو استوار کیا گیا، لیکن اب کی معاملہ "بیعت النساء" سے بہت آگے تک جا پہنچا۔ پہلی بیعت میں سیاسی پہلو صرف ایک نکتے سے نمایاں ہوتا تھا یعنی یہ اقرار کہ "ہم محمد صلعم کے معروف احکام سے سرتابی نہیں کریں گے"۔ لیکن اس مرتبہ سیاسی پہلو پوری خطرناکیوں کے ساتھ سامنے آگیا تھا۔ اب محمد صلعم کا ساتھ دینے کے معنی قریش اور سارے عرب کے ساتھ برسرِ پیکار ہونے کے تھے۔ اور یہی معنی سامنے رکھ کر بیعتِ ثانیہ استوار کی گئی۔ گفتگو میں تحریکِ اسلامی کے ان یثربی سپاہیوں نے پیش آئند ممکنات کا پورا اندازہ کرکے یہ کہا کہ "لوگوں (یعنی یہود) کے ساتھ ہمارے معاہدانہ روابط ہیں اور ہمیں ان روابط کو توڑنا ہوگا، کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ہم یہ کر چکیں اور پھر اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا کر دے تو آپ اپنے خاندان والوں کی طرف لوٹ جائیں اور ہمیں چھوڑ دیں"۔ اس اندیشے کے جواب میں مسکراتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا: "تمہارا خون، میرا خون ہے، تمہارے دشمن میرے دشمن، میں تمہارا اور تم میرے! جس سے تمہاری جنگ اس سے میری جنگ، جس سے تمہاری صلح اس سے میری صلح"۔ عباس بن عبادہ نے کہا: "اے خزرج والو! جانتے ہو کہ اس ہستی کے ساتھ کس بات کا پیمان باندھ رہے ہو؟ ---- یہ لوگوں میں سے سرخ و سیاہ سے جنگ کا پیمان ہے"۔ اہلِ وفد نے پوری ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے جواب دیا کہ "ہاں ہم اپنے مالوں کی تباہی، اپنے سرداروں کے قتل کے علی الرغم آپ کے ساتھ پیمان باندھ رہے ہیں"۔ اس بیعت کی خاص نوعیت ہی کی وجہ سے اس کا نام "بیعتِ حرب" پڑ گیا۔ اس بیعت کی ایک مرکزی شرط یہ تھی کہ "ہم تنگی میں اور آسانی میں، خوشی میں اور رنج میں (آنحضور صلعم کا) ہر ارشاد سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے اور حضورؐ کو اور حضورؐ کے فرمان کو اپنے آپ پر ترجیح دیں گے، اور یہ کہ ہم اربابِ امر سے کشمکش نہیں کریں گے، اور یہ کہ ہم اللہ کے دین کے معاملے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے"۔

یہ بیعت گویا اسلامی قصرِ ریاست کی پہلی اینٹ تھی اور ساتھ کے ساتھ کتابِ تحریک میں لکھے جانے والے بابِ ہجرت کا دیباچہ! اس بیعت کے ذریعے مستقبل کی اسلامی ریاست کے لیے گویا اس کے ہونے والے

شہریوں نے برضا و رغبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت کو قبول کر لیا۔ علاوہ بریں سمع وطاعت کا نظم استوار ہو گیا۔ اس موقع پر صرف ایک پیمان ہی نہیں باندھا گیا بلکہ اجتماعی نظم کی بنیاد بھی اٹھا دی گئی۔ اسلامی تحریک کے قافلہ سالار نے شہری جماعت کی رائے سے بارہ نقیب مقرر کیے۔ نو خزرج میں سے، تین اوس میں سے! ان نقیبوں کو مامور کیا گیا کہ تم اپنی قوم کے سارے معاملات کے ذمہ دار ہو، بالکل اسی طرح جیسے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے حواری ذمہ دار تھے اور جیسے خود میں اپنی پوری جماعت کا ذمہ دار ہوں۔ یہ گویا آنحضورؐ کے نائب تھے ان کے تقرر سے منظم معاشرہ کی تعمیر کا کام باقاعدہ شروع ہو گیا۔

قریش کے کان میں بھنک پڑی تو تلملا گئے۔ وفد جا چکا تھا، اس لیے تعاقب کیا اور سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کو گرفتار کر لائے۔ ان پر انہوں نے اپنا غصہ نکالا لیکن سانپ نکل گیا تھا، اب لکیر پیٹنے سے کیا حاصل تھا[ا]۔

مدینہ میں تحریک کا نیا مدوجزر | یہ طاقت مکہ سے نئی اسپرٹ لے کر مدینہ پلٹی تو دعوت کا کام علی الاعلان بہت ہی زور شور سے شروع ہو گیا۔ نوجوان جب کسی تبدیلی کے نقیب بن کے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو ان کے مقابلے میں بڑھاپے سے گزرتی ہوئی نسل دیر تک جم نہیں سکتی اور جمے بھی تو اس کا دور زیادہ لمبا نہیں ہو سکتا اور کسی تحریک کے مستقبل کا اندازہ کرنے کے لیے یہ جاننا بہت مفید ہوتا ہے کہ وہ میدان چھوڑتی ہوئی سالخوردہ نسل کے بل بوتے پر چل رہی ہے یا اس کی رگوں میں نیا خون رواں ہے۔ سو مکہ میں بھی، اور خاص طور پر مدینہ میں نوجوان طاقت دعوتِ اسلامی کے جھنڈے اٹھائے آگے آگے بڑھ رہی تھی۔

نوجوان طاقت نے کیا کیا کچھ نہ کیا ہو گا، اس کا اندازہ کرنے کے لیے ایک دلچسپ واقعہ کا تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بڑے بوڑھوں میں سے ایک بزرگ تھے عمرو بن الجموح جن کا تعلق بنی سلمہ سے تھا۔ ان بڑے میاں نے اپنے گھر میں لکڑی کا ایک بت مناۃ نامی فراہم کر رکھا تھا۔ یہ اس کی پوجا کرتے تھے اور اس کی جھاڑ پونچھ میں لگے رہتے تھے۔ بنی سلمہ کے دو نوجوان معاذ بن جبل اور معاذ بن عمرو دعوتِ حق پر ایمان لا کر تحریک اسلامی

[ا] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۹۴-۸۱

کے کارکن بن چکے تھے۔ موشا اللہ کر خود انہی بڑے میاں کے صاحب زادے تھے۔ یہ دونوں رات کی تاریکی میں جاتے اور بڑے میاں کے خداوند کو کیچڑ میں لت پت کر دیتے اور اٹھا کر بنی سلمہ کے گڑھے میں الٹا کر کے ڈال آتے جہاں لوگ غلاظت اور کوڑا پھینکتے تھے۔ صبح ہوتی تو عمرو بن الجموح چلاتا کہ "یہ کون ہے جس نے رات ہمارے خداوند پر دراز دستی کی ہے؟" پھر وہ اپنے خدائے گم شدہ کو ڈھونڈتا پھرتا اور جب پا لیتا تو اسے دھو دھا کر سنگھاسن پر لا بٹھاتا۔ اگلی رات پھر یہی حادثہ پیش آتا۔ بڑے میاں پھر اسی چکر میں پڑے بڑبڑاتے پھرتے۔ ایک دن عمرو نے تنگ آ کر اپنی تلوار بت کے ساتھ لٹکا دی اور اسے خطاب کر کے کہا کہ "خدا کی قسم، میں نہیں جانتا کہ کون تیرے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے، سو اگر تجھ میں کس بل ہے تو پھر خود ہی اپنا بچاؤ کر، یہ تلوار موجود ہے۔" شام ہوتی اور عمرو سو گیا تو اس ڈرامے کے دونوں کردار رات کو آئے اور تلوار بت کی گردن سے کھول لی۔ پھر ایک مرا ہوا کتا تلاش کر کے اس کے گلے میں رسی سے باندھا اور اسے ایک اندھے کنوئیں میں جا کر ڈال آئے جو انسانی غلاظت سے اٹا رہتا تھا۔ صبح اٹھ کر عمرو نے دیکھا تو حضرت پھر غائب تھے۔ تلاش کی تو بہ حالِ زار دیکھا۔ عبرت کا یہ نقشہ دیکھتے ہی دل نے کروٹ لی اور وہی عمرو اسلام کی صفوں میں آ شریک ہوا۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مدینہ کس طرح کایا پلٹ رہی تھی!